© rasailojaraid.com

مقاصد شریعت کے تناظر میں چند اہم سماجی مسائل

محمد عبداللہ *

عبدالغفار **

سماج کا سب سے اہم اور نازک معاملہ انسانوں کے باہمی تعلقات کا ہے۔اس کی اہمیت اورنزاکت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جبکہ سماج میں مختلف افکار ونظریات اور عقائد و مذاہب کے ماننے والے رہتے ہوں۔ان کا طرز حیات اوران کی تہذیب ومعاشرت ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہے۔اس صورت حال میں ظلم وزیادتی حق تلفی اور ناانصافی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ عدل و انصاف اورحقوق کی ادائیگی میں فکری تعصّبات، ذاتی اورقومی رجحانات اور سماجی عوامل رکاوٹ بننے لگتے ہیں۔ اس پر قابو پانا ہر مہذب اور صالح سماج کی اوّلین ضرورت ہے۔انسانی تعلقات کااخلاق اورقانون سے رشتہ جڑا ہوا ہے۔اخلاق کا ہدف ان تعلقات کو بہتر اور خوشگوار بنانا ہے جبکہ قانون انہیں جائز حدود میں رکھتا ہے اور کسی کو ان سے انحراف کی اجازت نہیں دیتا۔اخلاق اورقانون اپنا فرض ادا کریں تو سماج کوامن وامان اورسکون کی دولت نصیب ہوگی۔ بصورت دیگر جنگل کا قانون ہوگااورحقوق پامال ہوں گے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب کی روح تقوی اور خداترسی ہے،وہ انسان کو اخلاق اور قانون کا پابند بناتاہے۔اسی لئے انسانی تعلقات کو بہتر بنانے اور عدل وانصاف کے قیام میں اس کی ضرورت سے انکارنہیں کیا جاسکتا۔کہا جاتا ہے کہ اسلام علیحدگی پسند ہے اورفرد کے اندر یہی رجحان پیدا کرتا ہے، وہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں اورمخالف نقطہ نظر رکھنے والوں کوان سب افراد سے کاٹ دیتا ہے جواس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اپنوں اور غیروں کے درمیان اتنا زبرست فرق پیدا کرتا ہے کہ غیروں کے ساتھ عام انسانی تعلقات کا بھی روادارنہیں ہوتا۔ اسلام کی واضح تعلیمات اس رویہ کی سختی سے تردید کرتی ہیں حتی کہ غیر مسلموں سے بھی عام انسانی اور اخلاقی روابط سے کبھی منع نہیں کرتا۔لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ مسلمان کسی دوسرے گروہ میں ضم ہو جائیں۔اسلام

* ایسوسی ایٹ پروفیسر شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور پاکستان۔

** لیکچرر شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، پاکستان۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے کچھ ایسی حدود و قیود مقرر کر دی ہیں جن کی معقولیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مذکورہ بالا پس منظر اور عالمی تناظر میں حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کی اس برق رفتار ترقی کے وجہ سے سماجی مسائل میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور یہ مسائل بڑی تشویشناک صورت اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔مسلمان اکثریتی ممالک میں داخلی طور پر اس کے ساتھ ساتھ اقلیتی معاشروں میں جن مسائل سے دو چار ہیں ان میں انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کا دامن ان تشویشناک مسائل سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا ہو اور یہ تمام مسائل ہمہ جہت نوعیت کے ہیں۔انسانی زندگی پر چونکہ سماج کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔مقالہ ہذا میں چند ایسے سماجی مسائل کا انتخاب کیا گیا ہے جن سے عمومی طور پر مسلم اقلیتی معاشروں کو سابقہ پیش آتا ہے، تاہم کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں مسلم اکثریتی ممالک میں بھی قابل تشویش حد تک اضطراب پایا جاتا ہے۔عصری سماجی مسائل پر ارباب فکر و دانش نے شریعت اسلامیہ کی لا زوال مصالح وحکم کو ملحوظ خاطر رکھ کر انتہائی گہرے غور وفکر اور بحث ونظر سے حکم شرعی کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔اس معاملے میں علمائے کرام نے گہرے تعمق اور باریک بینی سے کام لیتے ہوئے مقاصد شریعت کی روشنی میں مسائل کا ایسا حل پیش کیا ہے جو نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ شریعت اسلامیہ کے آفاقی ہونے کا بھی بین ثبوت ہے۔مقالہ ہذا کو مندرجہ ذیل ذیلی مباحث اور مطالب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مبحث اوّل: خاندانی شکست وریخت اور مرد کی قوامیت

مبحث دوم : غیر مسلم ممالک میں سکونت اختیار کرنا

مبحث سوم : غیر مسلم ممالک میں مسلم خواتین کے مسائل

- مطلب اوّل: فسخ نکاح میں غیر مسلم عدالت کی حیثیت
- مطلب دوم : قبول اسلام کے بعد غیر مسلم خاوند کی زوجیت میں رہنا

مبحث چہارم: مسلم ممالک میں غیر مسلموں ساتھ سماجی تعلقات

- مطلب اوّل : غیر مسلم کی عیادت
- مطلب دوم : غیر مسلم کی مہمانداری
- مطلب سوم : غیر مسلم کی تکریم
- مطلب چہارم: غیر مسلم کو سلام کرنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاصہ مباحث

مبحث اوّل: خاندانی شکست و ریخت اور مرد کی قوامیت

گذشتہ چند صدیوں میں مختلف مغربی ممالک میں بنیادی انسانی حقوق کے پُر زور نعرے لگائے گئے اور ان کے لیے زبردست تحریکیں چلائی گئیں۔ اس کے نتیجے میں مطلق العنان حکم رانوں کے لامحدود اختیارات پر قدغن لگی اور بے بس اور مجبور انسانوں کو بہت سے وہ حقوق اور اختیارات حاصل ہوئے جن سے وہ صدیوں سے محروم تھے۔ دھیرے دھیرے عوام طاقت ور ہوتے گئے تو ان کو حاصل ہونے والے حقوق میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ان تحریکوں کے نتیجے میں آزادی، مساوات اور عدل و انصاف کے تصورات کو فروغ ملا۔ ان کے ثمرات وفوائد سے یوں تو عام انسان بہرہ ور ہوئے، لیکن خاص طور پر عورتوں کو ان کا وافر حصہ ملا۔ ان تحریکوں نے انھیں محرومی اور جبر سے آزادی اور زندگی کے ہر میدان میں مردوں کے برابر درجہ دینے اور انھی جیسا معاملہ کرنے کی وکالت کی۔ بنیادی حقوق، مساوی حقوق اور آزادیِ نسواں کے نام سے برپا ہونے والی یہ تحریکیں اصلاً مغربی ماحول کی پیداوار تھیں اور کلیسا کے جبر اور عورتوں کے بارے میں مسیحی نقطۂ نظر نے اس کے لیے راہ ہموار کی تھی۔ اس لیے یہ ردِّ عمل کی نفسیات کا شکار تھیں۔ تفریط کے ردّ عمل میں افراط نے جنم لیا اور حدود و قیود سے ماورا ہر طرح کی آزادی اور مرد و زن کے درمیان ہر اعتبار سے مساوات کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ ان تحریکوں کے اثرات کو مشرقی ممالک نے بھی قبول کیا اگرچہ ان کا تہذیبی و ثقافتی اور تاریخی پس منظر مغربی ممالک سے مختلف اور جداگانہ تھا، لیکن وہاں بھی ان تحریکوں کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا اور آزادی و مساوات کے ان تصورات کو کافی فروغ ملا۔

خلاقی اقدار سے عاری ان تصوّرات نے یوں تو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو متاثر کیا ہے، لیکن اس کا سب سے زیادہ اثر نظام خاندان پر پڑا ہے۔ اس کے نتیجے میں خاندان کا ادارہ بری طرح شکست و ریخت سے دوچار ہوا ہے۔ اباحیت اور آزاد شہوت رانی کی مختلف صورتوں کو فروغ ملا ہے، سماجی ذمہ داریوں سے فرار کا رجحان بڑھا ہے اور اخلاقی قدریں بری طرح پامال ہوئی ہیں۔ خاندان کی تشکیل مرد اور عورت کے باضابطہ جنسی تعلّق سے ہوتی ہے۔ یہ تعلق ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریاں متعین کرتا ہے، جن کی پاس داری بہتر خطوط پر افراد خاندان کے رہن سہن اور نشو ونما کے لیے ضروری ہوتی ہے، لیکن ذمہ داریوں سے بچتے ہوئے لذّت کے حصول کے رجحان نے ضابطے کے ساتھ جنسی تعلق کو فرسودہ قرار دیا اور بغیر نکاح آزاد جنسی رابطہ کو سندِ جواز عطا کی۔ یہ دلیل دی گئی کہ اگر نکاح کے بندھن میں بندھ کر کوئی مرد اور عورت ایک ساتھ زندگی گزاریں گے تو کچھ عرصہ کے بعد ناپسندیدگی یا کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور وجہ سے الگ ہونے میں قانونی رکاوٹیں ہوں گی، اس لیے زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ بغیر نکاح کے وہ ایک ساتھ رہیں اور جب ان کا جی بھر جائے، ایک دوسرے سے علیحدہ ہوجائیں۔ یہ طرزِ رہائش ان نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں مقبول ہورہا ہے جو اعلیٰ تعلیم کے حصول یا ملازمتوں کے لیے اپنے وطن سے دور کہیں عارضی طور پر مقیم ہوتے ہیں اور مختلف اسباب سے ابھی ان کے لیے نکاح کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

یہ تو قبل از نکاح جنسی تعلق کا معاملہ تھا۔ بعد از نکاح جنسی آزادروی کے معاملے میں تو اس سے بھی زیادہ کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ کہا گیا کہ ہر مرد اور عورت، خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، آزاد اور اپنی مرضی کا مالک ہے۔ جنسی تعلق کے لیے اس پر جبر تو قابلِ مواخذہ اور موجب تعزیر ہے، لیکن اگر دونوں باہم رضامندی سے یہ تعلق قائم کریں تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ گویا وہ جنسی تعلق جو بالرضا قائم ہو اس پر نہ سماج کو انگلی اٹھانے کا حق ہے، نہ قانون اس پر کوئی گرفت کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باہمی رضامندی سے جنسی تعلقات کے واقعات آئے دن میڈیا پر زیر بحث رہتے ہیں۔ جو واقعات قانون کی گرفت میں آجاتے ہیں ان کے مقابلے میں ان واقعات کی تعداد بہت زیادہ ہے جو سماج کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر انجام پاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو جنسی تعلق باہم رضامندی سے قائم کیا جائے گا، دوسروں پر اس کا انکشاف شاذ و نادر ہی ہو پائے گا۔

مرد کی عورت پر قوامیت

شرعی قوانین اور احکام کے اصولی مباحث پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کے مابین امتیاز کو محض ایک مخصوص سماجی صورت حال کا تقاضا قرار دیا جاتا ہے جبکہ قرآن وسنت کی نصوص ان احکام کو مختلف زاویے سے پیش کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

> الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّهُ وَاللاَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُواْ عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيّاً كَبِيرا (۱)
>
> ''مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالی نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہے، اور اس لئے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو جو نیک عورتیں ہیں وہ فرمابردار ہوتی ہیں، رازوں کی حفاظت کرتی ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے بھی رازوں کی حفاظت کی ہے، اور جن سے تمہیں شر کا اندیشہ ہو انہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نصیحت کرو، اور ان کے بستروں میں ان کو تنہا چھوڑ دو، اور انہیں سزا دو، پھر اگر وہ اطاعت کریں تو ان پر الزام کی راہ نہ ڈھونڈو، بے شک اللہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔''

قرآن حکیم نے خاندانی رشتے میں بیوی کے مقابلے میں شوہر کی جو بالاتر حیثیت بیان کی ہے اس کی ایک توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ماضی میں خواتین کسب معاش کے میدان میں مردوں سے مسابقت کی پوزیشن میں نہیں تھیں اور ان کی کفالت کی ذمہ داری شوہروں پر ہی عائد ہوتی تھی، اس لیے اگر جدید تمدن میں خواتین کے لیے اپنی معاشی کفالت خود کرنے کے مواقع پیدا ہو گئے ہیں تو اس کے نتیجے میں حق طلاق، وراثت کے حصوں اور دیگر امور میں بھی میاں بیوی کے مابین مساوات پیدا کرنا ضروری ہو گیا ہے، تاہم مقاصد شریعت کے تناظر میں یہ نقطہ نظر مندرجہ ذیل طریقے سے مختلف ہے۔

۱-مرد کی قوّامیت کا سبب

قرآن حکیم نے عورتوں پر مردوں کی بالادستی کی اصل وجہ معاشی کفالت نہیں بلکہ بعض خلقی اور طبی صفات کے لحاظ سے عورتوں پر برتری عطا کی ہے اور اس برتری کی بنا پر خواتین کے تحفظ اور کسب معاش کی ذمہ داری بھی فطری طور پر انھی پر عائد ہوتی ہے۔ باالفاظ دیگر شوہر کا بیوی کی کفالت کرنا محض ایک واقعے کا بیان نہیں، بلکہ ایک ذمہ داری کا بیان ہے۔ سماجی وتمدنی تبدیلی خواتین کے لیے معاشی میدان میں مسابقت کے بھلے کتنے ہی دروازے کھول دے، کفالت کی یہ ذمہ داری مرد پر ہی عائد رہے گی۔ عقل وانصاف کے زاویے سے بھی اس امر پر زیادہ استدلال کی ضرورت نہیں کہ طبعی وخلقی نزاکتوں اور بچوں کی ولادت اور پرورش کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اپنی معاشی کفالت کی ذمہ داری بھی خواتین پر ڈال دینا ان کے ساتھ صریح ناانصافی ہے۔ گویا معاشی کفالت میاں بیوی کے مابین فرق مراتب کی اصل وجہ نہیں ہے بلکہ وہ نظریہ ہے جو اپنی اساس کے ابدی ہونے کی بنا پر اس کو نظر انداز کر کے حقوق وفرائض کی کوئی نئی تقسیم قائم کرنا علم وعقل اور انصاف کے تقاضوں کو پامال کیے بغیر ممکن نہیں۔

۲-مرد کا عورت پر حق تأدیب

قرآن حکیم نے اس سے آگے بڑھ کر فرق مراتب کی بنیاد پر ہی خاوند کو یہ حق دیا ہے کہ اگر بیوی شوہر کی اس بالاتر حیثیت کو چیلنج کرے اور سرکشی کر کے خاندان کے نظم کو بربادی کے گڑھے میں دھکیلنا چاہے تو وعظ ونصیحت کے بعد شوہر اپنی بیوی کو مناسب جسمانی تادیب کا اختیار بھی رکھتا ہے۔ اگر شوہر کو حاصل برتری محض ایک مخصوص سماجی صورت حال کی پیداوار تھی تو قرآن کو اس کے خاتمے کی ترغیب دینے کے بجائے اس کو برقرار رکھنے کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ازخود اس طرح کے اقدامات تجویز کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی، یہ بات اس تناظر میں بالخصوص قابل توجہ ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں کے معاملے میں اس سے مختلف رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنے غلام کو اس کی کسی غلطی پر تھپڑ مار دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اسے تنبیہ فرمائی اور پھر جب اس شخص نے اس پر نادم ہو کر غلام کو آزاد کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمھیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔(۲)

۳-مرد کی برتری سماجی اور وقتی ضرورت

مرد کے لیے تسلیم کی جانے والی برتری کو ایک وقتی سماجی ضرورت کی پیداوار قرار دینا اس لیے بھی ناقابل فہم ہے کہ قرآن حکیم براہ راست طلاق دینے کے حق کو صرف شوہر کے لیے بیان کرتا ہے جس کی توجیہ معاشی کفالت کے اصول پر نہیں کی جا سکتی، اس لیے کہ شادی سے پہلے لڑکی کی کفالت کے ذمہ دار اس کے اہل خاندان ہوتے تھے اور شادی کے بعد شوہر، لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی کو بالغ عورت کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کرنے کا حق نہیں دیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ معاشی انحصار فی نفسہ عورت کو اپنی ذات کے بارے میں فیصلہ کرنے کے حق سے محروم نہیں کرتا۔ پس اگر معاشی انحصار رشتہ نکاح کو وجود میں لانے کے معاملے میں عورت سے اس کے اختیار کو سلب کرنے کی وجہ نہیں بن سکتا تو اسے اس رشتے کو ختم کرنے کے حق کی نفی کی بنیاد بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ نکتہ بھی اس امر کو واضح کرتا ہے کہ شوہر کو بیوی پر ایک درجہ زیادہ دینے کی توجیہ جس کا ایک اظہار حق طلاق کی صورت میں بھی ہوتا ہے، محض معاشی کفالت کے اصول پر نہیں کی جا سکتی۔

۴- نسب اولاد اور شناخت

خاندانی نظام میں شوہر کی بالادستی کا ایک اور بنیادی پہلو اولاد کا نسب سے ہے۔ اگر شوہر کو حاصل ایک درجے کی بالادستی مخصوص سماجی صورت حال پر مبنی تھی اور قرآن حکیم دراصل معاشرتی ارتقاء کو اس رخ پر آگے بڑھانا چاہتا ہے جس کا نتیجہ میاں بیوی کے یکساں اور مساوی حقوق کی صورت میں نکلے تو ظاہر ہے کہ اس بالادستی کے تمام مظاہر اور نتائج کو اس صورت حال میں تبدیلی کے ساتھ ختم ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جیسے ہی میاں بیوی کے مابین مساوات کے موانع ختم ہو جائیں اور اس مساوات کو عملاً قائم کرنا ممکن ہو، اس کے بعد بچے کے نسب کو باپ کے ساتھ وابستہ رکھنا ضروری نہیں رہے گا۔ جب میاں اور بیوی، دونوں خاندانی رشتے میں مساوی حیثیت کے حامل ہیں تو بچے کے نسب اور اس کی شناخت میں بنیادی حوالہ باپ کا کیوں ہو اور اس نسب کی حفاظت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے شریعت میں جو بعض دیگر احکام دیے گئے تھے، مثلاً عدت گزارنا اور بیوی کے لیے بیک وقت ایک سے زائد شادی کا حق تسلیم نہ کرنا وغیرہ، وہ بھی قانون کی بنیاد ختم ہو جانے کے بعد یہ بھی باقی نہیں رہیں گے۔ اگر یہ نتیجہ قابل قبول نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشی کفالت کے جس اصول کو شوہر کی بالادستی کی واحد بنیاد قرار دیا گیا تھا، وہ بجائے خود ناقص اور محل نظر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم میاں بیوی کے رشتے اور اس سے قائم ہونے والے حقوق وفرائض اور فرق مراتب کو سماجی ومعاشی صورت حال سے پیدا ہونے والی ایک ضرورت کے طور پر بیان نہیں کرتا، بلکہ اسے مخصوص مذہبی مفہوم میں تقدس کا درجہ عطا کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جانے والی فضیلت اور اس سے پیدا ہونے والے حقوق وفرائض کی تقسیم کو تسلیم کرنے اور عملاً اس کی پابندی قبول کرنے کو نیکی، تقویٰ اور اطاعت کی لازمی شرط قرار دیتا ہے۔ مرد کی قوامیت سے متعلق سورہ نساء کی آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی تمہید کے طور پر میاں اور بیوی کے مابین فرق مراتب کو دنیا میں ضابطہ خداوندی کا حصہ قرار دیتے ہوئے یہ تلقین کی ہے کہ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (۳) یعنی جو فضیلت اللہ نے اپنی حکمت کے تحت تم میں سے بعض کو بعض پر دی ہے، اس کے خواہش مند نہ بنو، آگے چل کر نیک بیویوں کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی فرماں بردار اور مطیع ہوتی ہیں اور پھر شوہروں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر بیویاں اس سے مختلف رویہ اختیار کریں تو وہ آخری چارہ کار کے طور پر ان کی جسمانی تادیب بھی کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے متعدد ارشادات اسی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عورت اگر پانچ وقت کی نماز ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو جنت میں داخل ہونے کی مستحق بن جاتی ہے۔ (۴) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میں خدا کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو بیوی سے کہتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (۵)

حقوق انسانی اور مساوات کے مغربی تصور کے لیے یہ بات اس لیے ناقابل فہم ہے کہ یہ تصور انسان کی اس انفرادیت پسند سوچ ابھرا ہے جو انسان کو اس کے گرد وپیش میں پھیلی ہوئی کائنات اور اس کے خالق سے بے نیاز کر کے اس کے اندر یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ فرد کے شخصی احساسات، خواہشات اور مفادات اصل اور اساس کی حیثیت رکھتے ہیں اور تمام اخلاقی ومعاشرتی ضابطے دراصل سماج میں رہنے والے افراد کے انفرادی حقوق اور خواہشات کے تحفظ اور تکمیل کی خدمت انجام دینے کے علاوہ اپنے اندر کوئی معنویت نہیں رکھتے۔ حب ذات کا یہ بے لگام جذبہ ہی ان تمام مذہبی، روحانی اور اخلاقی قدروں کی تباہی کا سبب ہے جو نہ صرف انسان کی شخصیت، بلکہ خاندان اور سماج کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکیزہ نشوونما کے لیے بھی ضروری ہیں۔ یہ سوچ اور فکر انسانوں میں پائے جانے والے بعض نفسیاتی احساسات کو غیر معمولی حد تک متأثر کر کے انہیں اعلیٰ روحانی، اخلاقی اور سماجی قدروں سے بغاوت پر آمادہ کرتا ہے اور اس طرح رشتے ناتوں اور تعلقات میں تناؤ اور کشیدگی کی ایسی فضا پیدا کر دیتا ہے کہ پورا سماج مختلف طبقات کے مابین شدید بداعتمادی اور بدگمانی کے ماحول میں حقوق انسانی کے میدان جنگ کی تصویر پیش کرنے لگتا ہے جس میں خدا کے حکم کی اطاعت میں اس کی قائم کردہ تقسیم کو قبول کرنا اور حیات انسانی کو ایک اخلاقی آزمائش سمجھتے ہوئے اپنے اپنے دائرے میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کی پاس داری کرنے اور فرائض کو بجالانے کا تصور اجنبی محسوس ہوتا ہے۔

مبحث دوم : غیر مسلم ممالک میں سکونت اختیار کرنا

اسلام ایک فطری اور جامع نظام طرز زندگی کا نام ہے اور یہ اپنے ماننے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی ان اصول وضوابط کے مطابق بسر کریں جو ان کے لئے خالق کائنات نے وضع کئے ہیں۔حلال وحرام، جائز ونا جائز، خیر وشر اور عبادات ومعاملات کا جو تصور دین اسلام نے دیا ہے وہ انفرادی اور مجموعی اعتبار سے اس کے پابند ہوں۔اس اعتبار سے ایک مسلمان اس روئے زمین پر اللہ کا بندہ بن کر زندگی گزارنے کا پابند ہے جس خطہ ارضی پر مجموعی اعتبار سے اس عقیدہ ونظام کو قبول کرنے والوں کی اکثریت ہوگی وہاں کے باشندے اس دین اسلام کے فیوض وبرکات سے بہتر طور پر بہرہ ور ہوں گے۔اور انہیں تعلیمات اسلامیہ پر عمل کرنا آسان ہوگا۔اور جہاں وہ اقلیت میں ہوں گے وہاں کی مشکلات قدرے زیادہ ہوں گی۔دور جدید میں سائنس وٹیکنالوجی کی نت نئی جدید ایجادات کی بنا پر عصر حاضر میں غیر مسلم ممالک کو ایک غیر معمولی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔جس کی بنا پر بہت سے مسلمان ان ممالک کا رخ کر رہے ہیں اور وہاں کی شہریت حاصل کرنے کی خوب کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔مسلم سماج کیلئے یہ مسئلہ تقریبا آج کے اس ماحول میں بہت سنگین صورت حال اختیار کر چکا ہے کسی بھی ملک کی شہریت حاصل کرنے کا مطلب واضح ہے کہ شہریت حاصل کنندہ وہاں رائج عام حکومتی قوانین وضوابط پر عمل کرنے، اس قوم کا ایک فرد کہلانے، وہاں کی تہذیب وتمدن کے اندر رہنے اور اس قوم کیلئے متعین تمام آئینی حقوق سے استفادے اور فرائض کی ادائیگی پر راضی ہے۔کسی بھی غیر مسلم ممالک کی شہریت اختیار کرنے کی متعدد وجوہات ہوسکتی ہیں،جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

۱-دعوتی،تبلیغی اور تعلیمی مقاصد کے لئے شہریت کا حصول

دین اسلام تو تمام بنی نوع انسان کی رشد وہدایت کے لئے نازل ہوا ہے اور اللہ تعالی نے امت مسلمہ کو خیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امت کا لقب بھی اسی لئے عطا کیا ہے کہ اسے تمام بنی نوع انسان کے لئے مقتدا بنا کر بھیجا گیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (۶)

''تم بہترین امت ہو جنہیں انسانوں کی ہدایت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔''

دین اسلام میں ساری کائنات کی بھلائی مضمر ہے۔لہذا اگر کوئی مسلمان دعوت وتبلیغ اور تعلیمی مقاصد کے لئے کسی غیر مسلم ملک کی شہریت حاصل کرتا ہے تو شرعا اس کے جواز میں بھی کوئی حرج نہیں ۔

۲۔مسلم ممالک میں مسلمانوں کے بنیادی اور شخصی حقوق کا تحفظ

اسلام معاشرے میں ہر فرد کی انفرادی اور اجتماعی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے ساتھ معاملات کرتا ہے ۔اقوام متحدہ اور دیگر حکومتی و غیر حکومتی ادارے جن بنیادی انسانی حقوق کا ہر وقت راگ اُلاپتے ہوئے نہیں تھکتے، اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدمؑ کے ساتھ ہی ان کا التزام تمام انسانوں پر لازم کر دیا تھا۔اقوام متحدہ کے چارٹر آف ہیومن رائٹس اور اس طرح کی دیگر طویل دستاویزات کو فقہائے کرامؒ نے صرف دو الفاظ ''مقاصد شریعت'' میں سمو دیا ہے۔ تمام شرعی احکام انہی اصول خمسہ کی ضمانت فراہم کرتے ہیں ، امام غزالیؒ اور دیگر فقہاء کرامؒ نے اسے دین ، جان ، مال ، نسل اور عزت کے تحفظ سے تعبیر کیا ہے۔اگر ایک مسلمان اپنے ہی ملک میں عدم تحفظ کا شکار ہو جاتا ہے اور اسے مستقل کسی نہ کسی خطرے اور ضرر کا اندیشہ رہتا ہے اور وہ کسی غیر اسلامی ملک کی شہریت حاصل کیے بغیر ان مظالم سے بچنے اور اپنے شخصی حقوق کے تحفظ کی کوئی صورت نہیں پاتا تو ایسی صورت میں شریعت اسلامیہ اسے اجازت دیتی ہے کہ جہاں کہیں بھی مقاصد شریعت کی بہتر صورت میں حفاظت ہو سکتی ہو وہاں سکونت اختیار کر لیں۔جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مکہ کے ابتدائی سالوں میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اور وہاں سکونت اختیار کرنے کی اجازت دی تھی۔ ابن العربیؒ نے احکام القرآن میں اس مسئلہ کی نوعیت پر تفصیلی گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جسمانی تکلیف یا جان کے خطرہ کے پیش نظر ہجرت کرنا درست ہے ، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ نے بھی ہجرت کی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا تذکرہ قرآن حکیم نے اس طرح کیا ہے:

وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَى رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَقَالَ إِنِّيْ ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّيْ سَيَهْدِيْن (۸)

اور حضرت موسیٰؑ کی ہجرت کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفاً يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ (۹)

اسی طرح مال میں نقصان کے خوف سے بھی فرار درست ہے کہ مسلمان کے مال کی حرمت بھی اس کے خون کی حرمت کی مانند ہے۔(۱۰) دشمن کے خوف سے فرار جو اگرچہ اللہ تعالی کی طرف سے سخت آزمائش اور امتحان ہے، لیکن بوجوہ یہ فرار بھی درست ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تھا۔(۱۱) اسی طرح فقہی قاعدہ کہ تنگی و مشقت کو دور کیا جائے، سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ ایسی صورت میں غیر مسلم ممالک کی شہریت اختیار کی جا سکتی ہے۔

۳۔حصول رزق وغیرہ کی خاطر شہریت کا حصول

اللہ تعالی نے روئے زمین پر تمام انسانوں کے لئے وافر مقدار میں معاش کا سامان پیدا کیا ہے اور ہر انسان کو کسی بھی جگہ سے رزق تلاش کرنے کی ترغیب دی ہے جس پر متعدد قرآنی آیات اور احادیث دلالت کرتی ہیں۔ کسی اسلامی ملک میں اگر کسی انسان پر ذرائع معاش کا حصول تنگ ہو جائے اور حکومت کی جانب سے بھی عدم تعاون ہو تو اسے بھی شریعت کی تعلیمات کی روشنی میں کسی دوسرے غیر مسلم ملک جانے کی اجازت ہونی چاہئے۔ کیوں کہ حلال کمائی کے لئے تگ و دو کرنا نماز روزہ کے بعد دوسرا اہم فریضہ ہے۔(۱۲)

۴۔محض زیادہ مال بنانے کی خاطر شہریت کا حصول

دنیا اور اس کے اسباب سے انسان کو فطری محبت ہوتی ہے اور انسان اس کے حصول کے لئے بہت محنت و مشقت اٹھاتا ہے، لیکن یہ کثرت مال کی حرص وطمع انسان کو اس کے مالک سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کے اسی فطری داعیہ اور اس کے عواقب کا تذکرہ قرآن حکیم میں اس طرح کیا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاء وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآب (۱۳)

وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْد (۱۴)

أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُر حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ كَلَّا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ۔ (۱۵)

لہٰذا کسی شرعی عذر اور ضرورت کے بغیر صرف زیادہ مال کمانے کی غرض سے غیر مسلم ملک کی شہریت حاصل کرنا کراہت سے خالی نہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ ایسا کرنے سے ایسے شخص کو اپنے اعتقاد و ایمان سے ہی ہاتھ دھونا پڑ جائیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ کتاب وسنت میں متعدد مقامات پر اشرار کی صحبت بد سے بچنے اور صلحاء و اہل خیر کی صحبت و مجلس اپنانے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین کے ساتھ باہمی سکونت اختیار نہ کرو اور نہ ان کے ساتھ مل جل کر رہو، جس نے ان کے ساتھ سکونت رکھی یا ان میں گھل مل کر رہا تو وہ انہی کی مثل ہے۔ (۱۶) اور ایسے لوگوں سے اعلان برأت فرمایا ہے۔ (۱۷) اسی طرح غیر اسلامی ممالک میں شہریت کی زیر بحث شکل کے مکروہ ہونے پر یہ قاعدہ فقہیہ بھی دلالت کرتا ہے کہ درء المفاسد اولی من جلب المصالح یعنی مفاسد کو دور کرنا حصول منفعت پر مقدم ہے۔ (۱۸)

مذکورہ مسئلے پر یورپی مجلس برائے افتاء والتحقیق نے تفصیلات میں جانے کی بجائے یہ عام اصول وضع کیا ہے کہ اگر غیر مسلم ممالک میں رہتے ہوئے اُحکام شرعیہ پر عمل درآمد، اور اپنے دین وایمان اور اپنی جان و مال کی حفاظت ممکن ہو تو اس صورت میں وہاں رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کو اس رائے کی بنیاد بنایا گیا ہے، جہاں عہد نبوی میں مسلمانوں نے اپنی دینی شناخت برقرار رکھتے ہوئے ایک طویل عرصہ وہاں گزارا تھا۔ جب اسلام کا غلبہ ہوا تو یہ صحابہ کرامؓ اپنی مرضی سے واپس آگئے تھے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس آنے کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ (۱۹)

کسی مسلمان کے غیر مسلم ملک میں رہنے کے عدم جواز پر دلالت کرنے والی مذکورہ بالا احادیث مبارکہ اور مجلس الأ روبي بظاہر باہم متعارض ہیں۔ مجلس کی رائے میں یہ حدیث مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف اور قابل رد ہے۔ مجلس کا یہ فیصلہ ایک حقیقت پسندانہ فیصلہ ہے، کیونکہ غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد میں اپنے علاقوں میں لوٹ جانے کا مطالبہ جہاں ناقابل عمل ہے وہاں شدید زحمت و تکلیف کا باعث بھی ہے، جبکہ یہ بات مقاصد شریعت میں سے ہے کہ شریعت اسلامیہ تنگی اور تکلیف کا ازالہ چاہتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلم ممالک اپنے ناگفتہ بہ معاشی حالات کی وجہ سے اتنی بڑی تعداد میں ان افراد کو آباد کرنے سے قاصر ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس عمل میں مسلمانوں کا معاشی نقصان بہت زیادہ ہوگا۔ البتہ یہ بات انتہائی اہمیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حامل ہے کہ مسلم ممالک میں پلنے بڑھنے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے سائنسدان ، اطباء ،انجینئر محض اچھے مستقبل کی خاطر بیرون ملک مقیم ہو جاتے ہیں ،ایسا کرنے سے انہیں ذاتی طور پر معاشی فوائد تو ضرور حاصل ہوتے ہیں ،لیکن ان کی خدمات کا فائدہ بھی غیر ہی اٹھاتے ہیں، جب کہ امت اسلامیہ اپنے ان افراد سے کوئی خاطر خواہ فائدہ اٹھانے سے قاصر رہتی ہے۔ غیر مسلم ممالک میں رہائش کے مسئلے پر جہاں اس پہلو سے غور کرنا ضروری ہے،وہاں ان اسباب اور وجوہات کا بھی ادراک ضروری ہے کہ جن کی وجہ سے امّت مسلمہ کے قیمتی افراد مغربی ممالک کا رخ کرتے ہیں۔

عصر حاضر کے اس نوعیت کے مسائل کو مقاصد شریعت کی روشنی میں دیکھنے اور مصالح اور مفاسد کا موازنہ کر کے اس سلسلے میں مؤثر قانون سازی کی ضرورت ہے۔ یہ معاملہ اس حوالے سے مقاصد شریعت سے براہ راست متعلق ہے کہ اس میں دو بڑے مقاصد یعنی حفظ دین اور حفظ مال کا عمل دخل ہے۔مغربی ممالک میں سکونت کا بڑا سبب دولت کا حصول ہوتا ہے،اوراس مقصد کے لئے جن خاردار پگڈنڈیوں سے گزرنا پڑتا ہے ان میں بہت کم لوگ اپنے دین وایمان کی حفاظت کر پاتے ہیں ۔اس سلسلے میں شریعت کے وہ تمام اصولوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے جن میں معاملات کے نتائج وعواقب کی روشنی میں فیصلہ کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

مبحث سوم : غیر مسلم ممالک میں مسلم خواتین کے مسائل

مطلب اوّل : فسخ نکاح میں غیر مسلم عدالت کی حیثیت

غیر مسلم ممالک میں رہائش پذیر اقلیتی مسلمانوں کو درپیش سماجی مسائل کے ضمن میں ایک اہم عائلی مسئلہ یہ ہے کہ غیر مسلم عدالت سے عدالتی طلاق کے لئے رجوع کرنا ہے۔اس بارے میں یورپی مجلس برائے افتاء وتحقیق نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اصل حکم یہ ہے کہ شرعی اور دینی معاملات میں مسلمان عدالت کی طرف ہی رجوع کیا جائے۔یورپی ملکوں میں ابھی تک مسلمان ججز کا تقرر نہیں ہوا ہے، اس لئے غیر مسلم جج سے حاصل کردہ طلاق قابل نفاذ ہوگی۔اس فیصلے کی توجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ مسلمان جب مقامی قانون کے مطابق شادی کرتا ہے تو وہ ضمناً یہ بات بھی تسلیم کر لیتا ہے کہ اس عقد کو توڑنے کا حق عدالت کو ہے، اور اس عمل کو فقہی قاعدہ ہے ''**المعروف عرفا کالمشروط شرطا**'' کے مطابق تفویض طلاق قرار دیا جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ لا قانونیت اور افراتفری جیسے مفاسد سے بچنے کے لئے عدالت کے حکم کو ماننا مصلحت ہے۔اس طرح اس حکم کی اساس مشہور فقہی قاعدہ جلب المصالح ودرء المفاسد بھی ہے۔(۲۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجلس کے اس فیصلے کی بعض جزئیات مقاصد شریعت سے موافق ہوسکتی ہیں لیکن مجموعی طور پر اس فیصلے سے اتفاق ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ وقتی طور پر ایک مسئلے کا حل تو ہوسکتا ہے لیکن مسلم معاشرے کے لئے اس کے خطرناک مضمرات ہیں ۔اس سلسلے میں پہلی اہم بات یہ ہے کہ یورپ میں مقیم مسلمانوں کا اپنا مذہبی تشخص برقرار رکھنا سب سے اہم مسئلہ ہے ۔امر واقعہ یہ ہے کہ اس دور انحطاط میں مسلمانوں کے پاس اسلامی قوانین پر عمل کرنے کیلیئے لے دے کے صرف عائلی قوانین کا شعبہ رہ گیا ہے، اگر اس شعبے میں بھی غیر اسلامی عدالتوں کو دخل دینے کی اجازت دے دی جائے تو پھر جلد ہی اسلام چند عبادات تک سمٹ کر رہ جائے گا۔علاوہ ازیں ماسوائے مسلمانوں کے بعض دوسری مذہبی اقلیات کو دیکھا جائے تو وہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود یورپ اور امریکہ میں اپنے عائلی قوانین سے متعلق الگ عدالتی نظام قائم کئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے عائلی نظام کے بارے میں لچک نہیں دکھائی۔اگر ہم اپنے ہمسایہ ملک ہندوستان کے حالات کا جائزہ لیں تو وہاں پر نا مساعد حالات کے باوجود مسلمان اسلامی عائلی قوانین میں ایک متوازی عدالتی نظام قائم کئے ہوئے نظر آتے ہیں۔یورپ جیسے خطے میں مجلس جیسی بین الاقوامی تنظیم کے لئے ایسا نظام قائم کرنا یا ایسا کرنے کی کوشش کرنا چنداں مشکل نہیں ہے۔

اس حقیقت سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کہ آج عالمی سطح پر حلال کھانا ، اسلامی بینکاری اور ان جیسی دیگر اصلاحات اور شعبے اس لئے وجود میں آئے ہیں کہ مسلمانوں کوضعیف اور شاذ اقوال پر عمل کرنے اور مصلحتا ان کی حلت کا جواز تلاش کرنے کے بجائے ان شعبوں میں رائج غیر اسلامی طریق کار کے خلاف آواز اٹھائی جانی چاہیئے ۔نکاح وطلاق کے معاملات میں جس طرح غیر مسلم عدالت کی مداخلت درست نہیں ہے اسی طرح غیر اسلامی یا نیم اسلامی قوانین بھی قابل گرفت ہیں ۔

مطلب دوم: قبول اسلام کے بعد غیر مسلم خاوند کے عقد زوجیت میں رہنا

مواصلاتی نظام میں ہوش ربا تبدیلی نے معاشرے پر مثبت اور منفی دونوں قسم کے اثرات مرتب کئے ہیں۔بالخصوص دعوتی حوالے سے اس بات کا عمومی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جدید مواصلاتی نظام نے اقوام عالم میں اسلام کا پیغام پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے ۔ آج مغربی معاشروں کے سامنے اسلام کی حقانیت ثابت ہو رہی ہے اور ان معاشروں میں تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے ۔اسلام کی اس روز افزوں ترقی کا دوسرا سبب ان معاشروں میں مذہبی آزادی ہے۔گزشتہ چند برسوں میں جن مقامی باشندوں نے اسلام قبول کیا ہے ان میں ایک اچھی خاصی تعداد خواتین پر مشتمل ہے جن میں سے بیشتر شادی شدہ ہیں۔کسی شادی شدہ عورت کے قبول اسلام کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد ان معاشروں میں اس کی ازدواجی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ غور طلب ہیں۔قانون اسلامی میں یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ شروعات کے طور پر کسی مسلمان مرد کو تو اہل کتاب عورت سے نکاح کی اجازت ہے جب کہ کسی مسلمان عورت کو اہل کتاب مرد سے نکاح کی اجازت نہیں۔اسی طرح اہل کتاب میاں بیوی میں سے اگر خاوند پہلے اسلام قبول کر لے تو اس کی بیوی اہل کتاب ہونے کی صورت میں اس کی بیوی رہے گی، لیکن اگر عورت پہلے اسلام قبول کر لے تو فقہائے اربعہ کے نزدیک عدت مکمل ہونے کے بعد اس کی بیوی نہیں رہے گی۔

مغربی ممالک میں جہاں غالب اکثریت اہل کتاب کی ہے اور ان غیر مسلم معاشروں میں قابل لحاظ مسلمان اقلیتیں موجود ہیں انہیں ایسے حالات سے سابقہ پیش آرہا ہے جن میں اس حکم پر عمل سے شریعت کے مقاصد فوت ہوتے نظر آئے ہیں جس کی بناء پر بعض علماء نے جن میں یوسف قرضاوی اور حسن ترابی کا نام سرفہرست ہے۔ سابقہ حکم کے پیش نظر صورت حال کے لئے موزوں قرار دیتے ہوئے نیا فتوی دیا ہے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے یہ کہا کہ اگر کتابی میاں بیوی میں سے بیوی مسلمان ہو جائے مگر بیوی کو توقع ہو کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کا کتابی شوہر اسلام میں داخل ہو جائے گا تو وہ اس کے نکاح میں باقی رہے گی، البتہ اسے چاہیے کہ شوہر کے اسلام لانے تک اس کے ساتھ مباشرت نہ کرے۔(۲۱)

اس اہم موضوع پر یورپی مجلس برائے افتاء و تحقیق نے اپنے آٹھویں اجلاس منعقدہ جولائی ۲۰۰۱ء میں غور کیا اور بعد ازاں ایک فتوی جاری کیا، یہ طویل فتوی چار حصوں پر مشتمل ہے۔اس کا آخری حصہ بالخصوص قابل غور ہے اور یہ حصہ نومسلم عورت کے ازدواجی تعلقات سے متعلق ہے۔اس فتوے کے متعلقہ حصہ کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

مجلس نے ان مختلف مباحث اور تحقیقات پر غور کیا جو تین مسلسل اجلاس میں اس کے سامنے پیش کی جاتی رہی ہیں۔مجلس نے فقہی آراء کا ان کے دلائل کے ساتھ مطالعہ کیا اور ان کو قواعد فقہ اور اصول فقہ کی روشنی میں پرکھا، نیز شریعت کے مقاصد کی روشنی میں جانچا۔اس میں ان خاص حالات کی رعایت بھی ملحوظ رکھی جن سے ان نومسلم خواتین کو مغربی ممالک میں سامنا کرنا پڑتا ہے جن کے شوہر اپنے مذہب پر قائم رہتے ہیں۔مجلس تاکید کرتی ہے کہ مسلمان عورت کے لئے شروعات کے طور پر غیر مسلم مرد کے ساتھ شادی کرنا حرام ہے، اس پر امت کا اجماع ہے۔ اسلاف واخلاف سب متفق ہیں۔البتہ اگر یہ شادی اس عورت کے اسلام لانے سے پہلے ہوئی تھی تو اس بارے میں مجلس کی رائے ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱- اگر اس کا اسلام لانا شوہر سے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے ہو تو دونوں کے درمیان علیحدگی فوراً واجب ہوگی۔

۲- اگر خلوت صحیحہ کے بعد عورت نے اسلام قبول کیا اور اس کی عدت کی مدت بھی گزر گئی، تو اسے اختیار ہے کہ شوہر کے اسلام لانے کا انتظار کرلے، چاہے یہ انتظار کتنا ہی طویل ہو پھر اگر شوہر اسلام لے آئے تو وہ دونوں اپنے پہلے نکاح پر باقی سمجھے جائیں گے، اس نکاح کی تجدید کی کوئی ضرورت نہیں۔

۳- اگر وہ عورت اس شوہر کے ساتھ مباشرت کرنے کے بعد اسلام لائی ہو مگر اس کا شوہر عدت گزارنے سے پہلے مسلمان ہوجائے تو ان دونوں کا رشتہ باقی رہے گا۔

۴- عدت گزرنے کے بعد اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہے تو اسے عدالت کے ذریعہ اس نکاح کو فسخ کرانا ہوگا۔ مذاہب اربعہ میں ایسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ عدت گزرنے کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ رہے، یا اس کو اپنے ساتھ ہم بستر ہونے دے۔ مگر بعض علماء کی رائے میں اس کے لئے جائز ہے کہ اپنے اسی شوہر کے ساتھ رہتی رہے، ان تمام حقوق اور واجبات کے ساتھ جو بیوی ہونے کے ناطے وارد ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ امید کرتی ہو کہ شوہر اسلام لے آئے گا اور اس کے ساتھ رہنا اس عورت کے دین میں رکاوٹ نہ ہو۔ اس رائے کی حکمت یہ ہے کہ عورتیں یہ جان کر اسلام میں داخل ہونے سے نہ رک جائیں کہ اسلام لانے سے ان کا اپنے شوہروں کو چھوڑنا اور خاندان کو خیر باد کہنا لازم آئے گا۔ اس رائے کے حامل علماء اپنی دلیل عمر بن خطابؓ کے اس فیصلہ کا حوالہ دیتے ہیں جو آپ نے حیرہ میں رہنے والی اس عورت کے بارے میں دیا تھا جو خود اسلام لائی تھی مگر اس کا شوہر مسلمان نہیں ہوا تھا، کہ اگر وہ چاہے تو اس آدمی کو چھوڑ دے اور چاہے تو اسی کے ساتھ باقی رہے۔ یہ روایت یزید بن عبداللہ الخطمی سے ثابت ہے۔ اسی طرح یہ علماء امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالبؓ کی اس رائے کو بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی عیسائی عورت جو کسی یہودی یا عیسائی مرد کی بیوی ہو، اسلام لے آئے تو چونکہ اس کے ساتھ ایک عہد ہو چکا ہے اس لئے اس مرد کا اس عورت کے عضو پر حق ہے۔ یہی رائے ابراہیم نخعی، شعبی اور حماد بن ابی سلیمان سے بھی ثابت ہے۔ (۲۲)

ڈاکٹر حسن ترابیؒ نے ۲ مئی ۲۰۰۶ء کو اخبار المشرق الاوسط کے نمائندہ کو ایک طویل انٹرویو دیا تھا۔ یہ انٹرویو اخبار کی ویب سائٹ پر بھی موجود ہے۔ ایک سوال کہ ''کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ شادی شدہ عورتیں جو اسلام لائیں ایک غیر مسلم شوہر کے نکاح میں باقی رہ سکتی ہیں'' کے جواب میں ایک طویل انٹرویو دیا جو بہت سے سیاسی اور سماجی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسائل سے تعرض کرتا ہے۔ ذیلی سطور میں صرف زیر بحث موضوع سے متعلق حصے من وعن نقل کئے گئے ہیں۔کیونکہ اس تجددانہ نقطہ نظر سے کلی طور پر اتفاق ممکن نہیں ہے، تاہم اس حوالے تنقیدی نقطہ نظر بھی مقالہ ہذا میں مقررہ جگہ پر پیش کیا گیا ہے۔

''ایک بار ایسا ہوا کہ ایک امریکی خاتون ایک اسلامک سنٹر میں اسلام لانے کی غرض سے گئی مگر وہ چاہتی تھی کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اپنے غیر مسلم شوہر کے نکاح میں باقی رہے۔سنٹر کے ذمہ داروں نے اس سے کہا کہ اگر وہ اپنے اسلام لانے کے ارادہ میں مخلص ہے تو اسے چاہیے کہ طلاق کی کاروائی شروع کردے۔ باوجود اس کے کہ اس میں بڑا خرچہ تھا اور ڈر تھا کہ وہ اپنے بچوں کی تولیت سے محروم ہو جائے گی، ان حضرات نے یہ نہ سوچا کہ ایسے افراد سے جو ابھی اسلام کی طرف پہلا قدم اٹھانے جا رہے ہوں یہ مطالبہ بہت ہی بڑا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس رویہ کی وجہ سے بہت سی عورتیں اسلام قبول کرنے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتی ہیں۔ مجھے یہ فتوی دینے سے پہلے اسلامی قانون کے بارے میں تحقیق کرنا پڑی، خاص طور پر میں نے اسلامی فقہ پر بعض ایسی کتابوں کا مطالعہ کیا جو تاریخ کے بعض مخصوص ادوار میں مرتب کی گئی تھیں۔

ماضی کے سارے فتاوی میں مسلمان عورت کی غیر مسلم مرد سے شادی ممنوع قرار دی گئی تھی، یہ فتاوی ایسے زمانہ میں جاری کئے گئے تھے جب مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان سیاسی تنازعات چل رہے تھے۔دوسری طرف مجھے قرآن یا سنت میں ایک لفظ بھی نہ ملا جو ایسی شادیوں کو ممنوع قرار دیتا ہو۔اس مخصوص واقعہ کی نسبت سے جس میں امریکہ میں ایک عورت اسلام قبول کرنا چاہتی تھی، میری رائے یہ تھی کہ اسے اپنے شوہر کے نکاح میں رہنے دیا جائے۔ ہوسکتا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ آدمی اسلام میں داخل ہو جاتا، ہوسکتا تھا کہ بعد میں دوسری خواتین اور ان کے خاندان بھی یہی کرتے۔

ہمیں ان مسلمان اقلیتوں کو جو مغرب میں اہل کتاب کے درمیان رہتے ہیں، اختیار دینا چاہیے کہ وہ اس مسئلہ کا جائزہ لے کر فیصلہ کریں کہ کیا طریقہ مناسب ہوگا کیونکہ وہی اس سے اولین مرحلہ میں متاثر ہوتے ہیں۔ وہ اسی نتیجہ تک پہنچیں گے کہ اپنی بیٹیوں کو عیسائی اور یہودی مردوں کے ساتھ شادیاں کرنے دیں کیونکہ غالباً یہ شادیاں ان کے شوہروں کو اسلام کی طرف لے آئیں گی، بصورت دیگر عورت خود اسلام پر قائم رہ سکے گی۔مغرب میں انفرادی آزادی کا دائرہ عام طور پر زیادہ وسیع ہے، لوگوں کو حالات کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے اور مناسب طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ (۲۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیس سال قبل شمالی امریکہ کے معروف اسلامی ادارے ”**المعهد العالمی للفكر الاسلامی**“نے جدہ میں منظمة المؤتمر الاسلامی کی مجمع الفقه الاسلامی کے سامنے جب یہ مسئلہ رکھا تھا تو اس نے مذکورہ بالا رائے کے برعکس معروف فقہی مسالک پر اصرار کرتے ہوئے فتویٰ جاری کیا تھا۔(۲۴)

یورپی کونسل برائے افتاء وتحقیق کے ایک رکن نے بھی اس موضوع پر تفصیل سے اظہار خیال کیا کہ اگر بیوی مسلمان ہو جائے اور اس کے شوہر نے اسلام قبول نہ کیا ہو تو یہ مسئلہ فقہ المقاصد ہی کی روشنی میں بھی حل کیا جانا چاہیے۔فکر مقاصد کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان عورت کو بچایا جائے اور ایسی عورتیں امریکی معاشرہ میں لاتعداد ہیں۔اگر آپ یہ کہیں گے کہ اگر تم اسلام قبول کرو گی تو تمہیں شوہر کو چھوڑنا پڑے گا،اولاد کو چھوڑنا پڑے گا تو اس کا کوئی شوہر نہ ہوگا،کوئی اس کے اخراجات پورے کرنے والا نہ ہوگا،اب وہ اس سلسلہ میں اور اپنے بال بچوں کے سلسلہ میں کیا راستہ اختیار کرے گی تو بیشتر عورتیں یا تو اسلام قبول کر کے مرتد ہو جائیں گی یا اسلام قبول ہی نہیں کریں گی۔ہم اس فتویٰ کے ذریعہ بندگان خدا کو اللہ کے دین سے روکنے والے ہوں گے۔(۲۵)

بعض علمائے کرام سورۃ البقرۃ کی مندرجہ ذیل آیت مبارکہ کو دلیل بنا کر نومسلم بیوی اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کے قائل ہیں اور عقلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ وہ نومسلم عورت کے سابقہ خاوند کے پاس ٹھہرنے کی وجہ سے مرتد ہونے کا خدشہ ہے۔

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ(۲۶)

”تم مشرکات سے اس وقت تک نکاح مت کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں،ایک لونڈی مشرکہ سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں کتنی ہی بھلی کیوں نہ لگے۔“

مذکورہ آیت کے ضمن میں محترم جاوید احمد غامدی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تاویل محل نظر ہے کیوں کہ آیت مذکورہ میں ابتداء شروعات نکاح سے منع کیا گیا ہے جب کہ زیر بحث مسئلہ میں تو غیر مسلم کی بیوی عقد نکاح کے بعد مسلمان ہوئی ہے۔اور اسلام قبول کرنے کیلئے اسے جتنے دشوار مراحل سے گزرنا پڑا ہوگا ان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔لہذا اس عورت سے دوبارہ مرتد ہونے کا خوف بنسبت خاوند کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی جدوجہد سے کم ہے اور یورپی کونسل کا فتویٰ بھی اس بات پر مبنی ہے کہ وہ ایسی عورت کو صرف اس شکل میں اس خاوند کے تحت رہنے کی اجازت دیتے ہیں جسے یہ قوی امید ہو کہ اس کا خاوند بھی اسلام قبول کر لے گا۔اور دوسری بات یہ ہے کہ ایسی نومسلم عورت کے لئے اپنے خاوند کو چھوڑ کر ان مغربی معاشروں کے خاص ماحول میں تنہا زندگی گزارنا از

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حد مشکل ہے جہاں مفاسد اس کے مصالح سے بڑھ جاتے ہیں اور یہ ایک عمومی قاعدہ بھی ہے کہ شریعت مفاسد کے خاتمہ کے لئے آئی ہے،اور قرآنی آیت لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (۲۷) سے جو استدلال کیا جاتا ہے کہ خاوند اور بیوی کے درمیان فوراً تفریق کردی جائے گی اور وہ عورت اب اس سابقہ خاوند کے لئے حلال نہیں ہے یہاں حلت سے مراد صرف مباشرت کا حلال ہونا ہے نہ کہ عقد نکاح کا فسخ ہونا۔ اگر عقد نکاح کا فسخ ہونا لازم آتا تو عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام واقعات جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند کے بعد میں اسلام قبول کرنے کے باوجود ان کے سابقہ نکاح کو برقرار رکھا تو وہ نہ رکھتے۔ بلکہ ان کے درمیان تجدید نکاح کراتے۔ تجدید نکاح نہ کرنا درحقیقت اس بات کی دلیل ہے کہ محض قبول اسلام سے عقد فسخ نہیں ہوتا۔ حق زوجیت کا ترک لازم آتا ہے اور اگر عورت انتظار کرنا چاہے اور اسے اپنے خاوند کے اسلام لانے کی قوی امید ہو تو وہ انتظار کرسکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کی روایت کہ ”ان شاء ت قرت“ (۲۸) اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ احادیث مبارکہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ بن ابی جہل اور اس کی بیوی کے معاملے میں اور اس طرح صفوان اور اس کی بیوی کے معاملے میں کیا تھا۔ اور یہ واقعات بھی فتح مکہ کے بعد کے ہیں۔ کہ ان کی بیویوں کے خاوندوں سے پہلے اسلام لانے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ نکاح پر ہی برقرار رکھا۔ (۲۹) یہ صورت اختیار کرنے سے قرآنی آیات اور احادیث میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ اور غیر مسلم معاشروں کی ایسی نومسلم خواتین کے لئے بھی آسانی اور سہولت کی راہیں نکل آئیں گی جس سے شریعت اسلامیہ کے مصالح قوی ہوں گے۔ (۳۰)

امام ابن قیمؒ نے اس مسئلہ پر ایک مکمل فصل قائم کی ہے اور اس موقف کو درست تسلیم نہیں کیا کہ نومسلم خاتون اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کردی جائے گی بلکہ دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ شریعت کے مصالح اسی میں ہیں کہ اس عورت کو اختیار دیا جائے کہ چاہے تو وہ سابقہ غیر مسلم سے جدائی حاصل کرلے اور چاہے تو اس کے اسلام لانے کا انتظار کرے۔ آپؒ دیگر واقعات کے ساتھ ساتھ حضرت عمرؓ کے فیصلے کی ایک روایت جو حضرت عبداللہ بن یزید سے مروی ہے جس میں آپ نے اس عورت کو اختیار دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”وان شاء ت فارقته وان شاء ت اقامت عليه“ (۳۱) سے استدلال کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا روایت میں اقامت علیہ کے جو الفاظ آئے ہیں اس سے ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چاہے تو اس کے اسلام لانے کا انتظار کرے اس صورت میں اس کا نان ونفقہ اس کے شوہر کے ذمے ہوگا۔ لیکن اتنی بات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ نومسلم عورت کا عقد اس کی عدت کی مدت گزار نے کے بعد 'عقد لازم' سے تبدیل ہو کر 'عقد جائز' ہو جاتا ہے۔اب چاہے وہ کسی اور مسلمان سے شادی کر لے یا چاہے تو اس کافر شوہر کے اسلام لانے کا انتظار کرے جب بھی اس کا سابق شوہر اسلام قبول کرلے تو وہ سابقہ عقد بحال کرسکتی ہے۔تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں ۔(۳۲)

اسی طرح وہ حضرت علیؓ کی اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں مذکور ہے جب کسی یہودی یا نصرانی کی بیوی اسلام لے آئے تو اس کا شوہر اسے اپنے پاس رکھنے کا زیادہ حق رکھتا ہے، کیونکہ ذمی ہونے کہ وجہ سے اس کے حقوق کوتحفظ حاصل ہے۔

اذا اسلمت النصرانية امراة اليهود او النصرانی کان احق ببعضها لان له عهد۔ " (۳۳)

''جب کسی یہودی یا نصرانی کی بیوی اسلام لے آئے تو اس کا شوہر اسے رکھنے کا زیادہ حقدار ہے اس لئے کہ ان میں عہد ہے۔''

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے کہ " هو احق بها " (۳۴) یعنی ایسی نومسلم خاتون کا خاوند ہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔اور جہاں تک انقطاع عدت کی بات ہے تو اس کا تعلق محض اس بات سے ہے کہ اگر عدت کی مدت ختم ہونے سے پہلے پہلے اس کا خاوند اسلام لے آیا تو یہ عورت اسی کی بیوی ہوگی لیکن عدت ختم ہونے کے بعد عورت کو اختیار حاصل ہو جائے گا کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے یا مرد کے اسلام لانے کی منتظر رہے۔اپنے شوہروں سے علیحدگی اور اپنے خاندانوں سے جدائی کا خوف ان کے اسلام لانے کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے ۔ یہ ایک بڑی مصلحت تھی جس کے پیش نظر اس سے کم تر مصلحت یعنی خاوندوں کی مصاحبت میں ترک دین کا خوف کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

مبحث چہارم : مسلم مما لک میں غیر مسلموں کے ساتھ سماجی تعلقات

موجودہ دور میں مسلم مما لک میں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ سماجی تعلقات کو مقاصد شریعت کے تناظر میں دیکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ مذکورہ مبحث میں عمومی لیکن خصوصی نوعیت کے چند ایسے سماجی معاملات کو بیان کیا گیا ہے جن سے بہت زیادہ سابقہ پیش آتا ہے۔مثال کے طور پر غیر مسلم دوست ،ہمسائے کی عیادت کرنا،ان کو اپنے ہاں بطور مہمان ٹھہرانا، انکا اعزاز و اکرام کرنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کو سلام کرنا وغیرہ شامل ہیں۔اسلام نے سماجی تعلقات کے حوالے سے بھائی چارے اور عدل گستری کا عام درس دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۳۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کے لئے تیار ہو جاؤ،اور اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک وہ سننے اور جاننے والا ہے۔''

اگرچہ مذکورہ آیت مبارکہ کا پس منظر حربی ہے تاہم اس کو وسیع تر مفہوم میں لیا جائے تو اس سلسلے میں قرآنی تعلیمات کا حکم عمومی ہے۔

مطلب اوّل : غیر مسلم کی عیادت

سماجی تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بیمار ہو تو اس کی عیادت اور خبر گیری کی جائے اور اس سے محبت اور ہمدردی کا اظہار کیا جائے۔اسلام نے مریض کی عیادت کی ترغیب دی ہے اور اسے کار ثواب بتا یا ہے۔احادیث مبارکہ سے غیر مسلم کی بھی عیادت کا ثبوت ملتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے خود بھی غیر مسلم کی عیادت فرمائی۔مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ اس بات کی دلیل ہیں:

i- حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ بنونجار کے ایک شخص کی عیادت کے لئے تشریف گئے تو اس سے کہا اے ماموں **لا اله الا الله** کا اقرار کیجئے ،اس نے کہا کہ میں ماموں ہوں یا چچا،تو آپ نے فرمایا ماموں ہیں،اس لئے کہ بی بی آمنہؓ کا تعلق مدینہ سے تھا، اس نے کہا کہ کیا **لا اله الا الله** کا اقرار میرے حق میں بہتر ہوگا،تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں۔ (۳۶)

ii- حضرت انسؓ ہی کی ایک اور روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، جب وہ بیمار رہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے،اس کے سرہانے بیٹھے اور اس سے کہا کہ تم اسلام لے آؤ۔اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔اس نے کہا ابو القاسم ﷺ کی بات مان لو۔چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔رسول اللہ ﷺ وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اللہ کا شکر اس نے اس بچہ کو جہنم سے بچا لیا۔(۳۷)

مذکورہ روایات سے مشرکین اور یہود کی عیادت کا ثبوت ملتا ہے۔اسلام کا پیش کرنا تو خیر خواہی کا تقاضا ہے۔آدمی جسے حق سمجھے گا اسے وہ ہر حال میں پیش کرنے کی کوشش کرے گا۔فقہائے کرامؒ نے رسول اللہ ﷺ کے اس اسوہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ غیر مسلموں کی عیادت اور تعزیت جائز ہے۔اس میں از روئے شرع کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔عطاء بن ابی رباحؒ کہتے ہیں کہ کوئی غیر مسلم بیمار ہو جائے تو اس کے مسلمان رشتہ دار کو اس کی عیادت کرنی چاہئے ،اس قول کو عبدالرزاقؒ نے مصنف میں نقل کیا ہے۔اگر مسلمان اور کافر کے درمیان قریبی رشتہ داری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے تو مسلمان کو کافر کی عیادت کرنی چاہیے۔کسی سے قرابت اور رشتہ داری ہو تو اس کے حقوق زیادہ ہیں لیکن یہ عیادت کے لئے شرط نہیں ہے۔یہ ایک دینی ،اخلاقی بلکہ انسانی تقاضا ہے جسے پوارا ہونا چاہئے۔

" ان كانت قرابة قريبة بين مسلم و كافر فليعد المسلم الكافر۔ " (۳۸)

'' اگر مسلمان اور کافر کے درمیان قریبی رشتہ داری ہے تو مسلمان کو کافر کی عیادت کرنی چاہئے ۔''

" تعود بنى النصارى وان لم تكن بيننا وبينهم قرابة۔ " (۳۹)

''ہم لوگ بنو نصاری کی عیادت کیا کرتے تھے اگرچہ ہمارے اور ان کے درمیان قرابت داری نہیں تھی ۔''

فقہ حنفی میں عمومی انداز میں کہا گیا ہے کہ:

" ولا باس بعيادة اليهود ى و النصرانى لانه نوع برٍ فى حقهم وما نهينا عن ذالك۔ (٤٠)

''یہود و نصری ای کی عیادت میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ ان کے حق میں ایک طرح کی نیکی ہے جس سے ہمیں منع نہیں کیا گیا۔''

مطلب دوم: غیر مسلم کی مہمان داری

اسلام نے حسن سلوک کا عام حکم دیا ہے ، اس سلسلے میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک والدین کے ساتھ نہ صرف حسن سلوک کی ہدایت فرمائی بلکہ ان کی مہمان داری سے بھی منع نہیں فرمایا۔اس کا ثبوت حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ کے واقعہ سے ملتا ہے۔فرماتی ہیں کہ مکہ سے میری مشرک والدہ مجھ سے ملنے کے لئے مدینہ ان کے گھر آئی اور کچھ تحفے بھی ساتھ لائی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ مجھ سے کچھ توقعات لے کر آئی ہیں کیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک کر سکتی ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ (۴۱) حضرت اسماءؓ نے انہیں اپنے ہاں مہمان ٹھہرایا اور ان کی خدمت کی۔ اس حدیث کے ذیل میں امام شوکانی ؒ لکھتے ہیں کہ:

" فيه دليل على جواز قبول هدية المشرك كما دلت على ذالك الاحاديث السالفة وعلى جواز انزاله منازل المسلمين۔" (٤٢)

''اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مشرک کا ہدیہ قبول کیا جا سکتا ہے۔جیسا کہ اس باب میں جو احادیث گزر چکی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے،اس حدیث میں اس امر کا جواز بھی موجود ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشرک کو مسلمانوں کے گھروں میں ٹھہرایا جا سکتا ہے''

مطلب سوم : غیر مسلم کی تکریم

غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک میں مالی تعاون اور اخلاقی رویہ دونوں داخل ہیں۔ان کے ساتھ بات چیت ، ملنے جلنے اور تعلقات میں اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ ہو۔ان میں جو سماجی اور معاشرتی لحاظ سے جس حیثیت کا مالک ہو اس کے مطابق اسے عزت و احترام کا مقام دیا جائے قاضی اسماعیل بن اسحاق ؒ کی خدمت میں ایک ذمی آیا تو انہوں نے اس کی تعظیم و توقیر کی ، حاضرین میں سے بعض نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا تو قاضی اسماعیلؒ نے سورۃ الممتحنہ کی اس آیت کا کی تلاوت کی۔ (۴۳)

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِيْ الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (۴۴)

مطلب یہ کہ قرآن حکیم نے ذمیوں اور غیر محاربین کے ساتھ حسن سلوک سے منع نہیں کیا ، یہ احترام اسی حسن سلوک میں داخل ہے۔ایک سوال یہ ہے کہ مسلمان کسی ذمی کے احترام میں کھڑا بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔علامہ عزالدین بن سلامؒ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے، البتہ نہ کھڑا ہونے میں کسی بڑے ضرر کا خطرہ ہو تو فرماتے ہیں کہ کھڑا ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔علمائے احناف میں ابن وہب اس کا ایک مثبت پہلو بیان کرتے ہیں۔ان کے نزدیک ذمی کا اسلام کی طرف رجحان ہو تو احتراماً کھڑا ہونے کی گنجائش موجود ہے بعض لوگوں نے ہر دینی مصلحت کو یہی حیثیت دی ہے۔(۴۵) اسلام کی عام اخلاقی تعلیمات اور اپنوں اور غیروں کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی اور احسان کی ہدایات کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس سے زیادہ وسیع پس منظر میں ان پر غور فکر ہو سکتا ہے اور اس سے بہتر طور سے مقاصد شریعت کی حفاظت ہو سکتی ہے۔

مطلب چہارم : غیر مسلم کو سلام کرنا

احادیث مبارکہ میں سلام کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے اور اسے عام کرنے کا حکم ہے۔اکثر علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ اس کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہے۔انہیں آپس کے تعلقات میں جن باتوں کی ہدایت کی گئی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ملاقات کے وقت سلام کریں، احادیث مبارکہ سے اس کی بھر پور تائید بھی ہوتی ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

" لا تدخلوا الجنة حتى تومنوا ،ولا تومنوا حتى تحابوا،اولا ادلكم على شيئ اذا فعلتموه

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحاببتم،افشو االسلام بینکم۔ " (۴۶)

''جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگے ،اور تمہارا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو گے، تو کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں دوں کہ اگر تم اس پر عمل کرو گے تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے، یہ کہ تم اپنے درمیان سلام کو عام کرو۔''

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان سلام کا زیادہ سے زیادہ رواج ہونا چاہیئے، کیونکہ اس سے اجنبیت ، دوری اور غلط فہمیاں ختم اور تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ یہاں تک تو بات متفق علیہ ہے، البتہ غیر مسلموں کو سلام کرنے میں اختلاف ہے۔ مسلم اکثریتی ممالک میں رہتے ہوئے بعض لوگ اس معاملہ میں شدید الجھن کا شکار ہیں۔ پاکستانی حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو دفاتر میں صفائی ستھرائی کرنے والا عملہ بالعموم غیر مسلم ہوتا ہے۔اب اس کی دو ہی صورتیں ہیں، اوّلاً یہ کہ ہم سلام میں پہل کریں گے دوم یہ کہ عرف کے مطابق وہ سلام میں پہل کریں گے۔اسلامی تعلیمات کی روشنی میں غیر مسلم کو سلام کرنے میں اگر پہل نہ کی جائے یا سلام کا جواب معروف طریقے کے مطابق نہ دیا جائے تو اس سے احساس رعونت پیدا ہوتا ہے اور نفرت کے جذبات جنم لیتے ہیں جو یقیناً مقاصد شریعت کے منافی ہے ، کیونکہ اس سے حفاظت دین کا مقصد متأثر ہوتا ہے۔لہذا اس معاملے کا قرآن وسنت اور مقاصد شریعت کی روشنی میں جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

غیر مسلم کو سلام کرنے کی ممانعت

سلام چونکہ صرف مسلمانوں کے درمیان عام کرنے حکم ہے، اس لئے اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ غیر مسلم کو سلام نہیں کیا جائے گا اس کی تائید میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

لا تبدؤ الیھود والنصاری بالسلام فاذا لقیتم احدھم فی طریق فاضطروہ الی اضیقه۔(٤٧)

''یہود ونصاری کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، بالفرض راستہ میں کسی سے تمہارا آمنا سامنا ہو جائے تو اسے تنگ راستہ دو۔''

حدیث مبارکہ کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ یہود ونصاری کو نہ سلام کرنے میں پیش قدمی نہ کی جائے اور انہیں تنگ راستہ میں چلنے پر مجبور کیا جائے۔لیکن حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ یہود ونصاری کو سلام میں پہل نہ کی جائے، نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے لئے احتراماً کشادگی پیدا کی جائے اور نہ ہی ان کے لئے اپنا راستہ چھوڑا جائے۔خدانخواستہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ غیر مسلموں کو دھکا دے کر یا جان بوجھ کر تکلیف دی جائے اور ان کے راستے کو تنگ اور دشوار کر دیا جائے۔

ممانعت کی نوعیت

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ پہنچنے کے فورا بعد یہود کے ساتھ امن وآشتی اور باہمی تعاون کا معاہدہ ہوا۔لیکن انہوں نے کبھی اس کی پاس داری نہ کی۔اسلام دشمنی ،سازشوں اور خیانتوں میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔سلام وکلام اور گفتگو میں ان کا رویہ غیر شائستہ اور نازیبا تھا،جس کا ذکر قرآن حکیم نے بھی کیا ہے،لیکن ان کی تمام حرکتوں کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان سے درگزر کا حکم دیا گیا۔(۴۸) تاہم جب یہ سازشیں اپنی آخری حد کو پہنچ گئیں تو ان سے جنگ بھی ہوئی اور نہیں جلا وطن بھی کیا گیا۔(۴۹) اس طرح کے حالات کے پیش نظر یہود کے سلسلہ میں اسلام کے رویہ میں تبدیلی آتی رہی ہے۔ممکن ہے کہ سلام میں پیش قدمی نہ کرنے اور راستہ میں ان کا احترام نہ کرنے کی ہدایات مذکورہ ناگفتہ بہ حالات میں دی گئی ہوں۔ظاہر ہے حالات کے بدل جانے کے بعد حکم بھی بدل جائے گا۔اس کی تائید بعض صحابہ وتابعین کے عمل سے ہوتی ہے،جس کی چند مثالیں ذیلی سطور میں بیان کی گئی ہیں۔لہٰذا ان اُمثلہ کی رہنمائی میں غیر مسلموں کو سلام کرنے کی ممانعت کی نوعیت اور حکم پر مقاصد شریعت کو مدنظر رکھتے ہوئے غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔حضرت ابوامامہؓ کا راستہ چلتے ہوئے جس کسی کے پاس سے بھی گزر ہوتا، چاہے وہ مسلمان ہو یا نصرانی ،چھوٹا ہو یا بڑا اسے سلام ضرور کرتے۔جب ان سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ہمیں سلام کے عام کرنے اور پھیلانے کا حکم ہے۔(۵۰) ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں کہ سلف سے مروی ہے کہ وہ اہل کتاب کو سلام کیا کرتے تھے۔(۵۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ،ابو درداءؓ اور فضالہ بن عبیدؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ اہل کتاب کو سلام کرنے میں پہل کرتے تھے۔ (۵۲)

حضرت عون بن عبد اللہؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن کعب قرظیؒ نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے دریافت کیا کہ ذمیوں کو سلام کرنے میں پیش قدمی کی جاسکتی ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ ہماری طرف سے سلام کی ابتداء صحیح نہیں ہے۔البتہ ان کے سلام کا جواب دیا جائے گا۔عون بن عبداللہؒ نے اس مسئلہ میں خود محمد بن کعب قرظیؒ کی رائے دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ انہیں آگے بڑھ کر سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۵۳) امام اوزاعیؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا کوئی مسلمان غیر مسلم کے پاس گزرتے وقت اسے سلام کرسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہوں نے جواب دیا اگر تم نے سلام کیا تو اس سے پہلے صالحین نے اہل کتاب کو سلام کیا ہے اور اگر تم نے سلام نہیں کیا تو صالحین نے کبھی سلام نہیں بھی کیا۔ (۵۴)

سماجی تقاضوں کے تحت غیر مسلم کو سلام کا جواز

مسلمانوں کے درمیان تو سلام کو ہر موقع اور ملاقات پر عام کرنے کا حکم ہے لیکن غیر مسلموں کے بارے میں اس طرح کی ہدایت نہیں دی گئیں۔لیکن سماجی ضروریات اس کا تقاضا کر رہی ہوں تو انہیں سلام کیا جا سکتا ہے۔حضرت علقمہؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔بعض ذمی بھی شریک سفر تھے، کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ان کا راستہ الگ ہو گیا اور وہ اس پر چلنے لگے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے انہیں سلام کیا، میں نے عرض کیا کہ کیا ذمیوں کو سلام کرنا ناپسندیدہ نہیں ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا کہ یہ تو حق صحبت ہے۔(۵۵) بعض فقہائے کرام کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کا اپنی کسی حاجت اور ضرورت کے تحت غیر مسلم کو سلام کرنا جائز ہے۔قاضی عیاضؒ کے بقول یہ علقمہؒ اور امام نخعیؒ کا قول ہے۔(۵۶) سلیمان الاعمشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم نخعیؒ سے کہا کہ ایک نصرانی طبیب کے ہاں میری آمد و رفت رہتی ہے کیا میں اسے سلام کر سکتا ہوں۔آپ نے جواب دیا کہ جب تمہاری اس سے کوئی حاجت ہو تو سلام کرو۔(۵۷)

ابراہیم نخعیؒ کا قول امام قرطبیؒ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

"اذا كانت لك حاجة عند يهودى او نصرانى فابدأ بالسلام۔"

''جب تمہیں کسی یہودی یا نصرانی سے کوئی حاجت درپیش ہو تو اس سے ملاقات کا آغاز سلام سے کرو''

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:

"فبان بهذا ان حديث ابى هريرةؓ...... اذا كان لغير سبب يدعوكم الى ان تبدوهم بالسلام من قضاء زمام او حاجة تعرض لكم قبلهم او حق صحبة او جوار او سفر۔۔۔۔"

''اس سے واضح ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت جس میں غیر مسلم کو سلام کرنے سے منع کیا گیا ہے، کا تعلق بغیر کسی سبب کے سلام کرنے سے ہے۔جیسے کسی حق کی ادائیگی یا کوئی حاجت جو تمہیں ان سے پیش آئے یا صحبت، ہمسائیگی اور سفر کا حق، اس طرح کا کوئی سبب ہو تو سلام کیا جا سکتا ہے۔''

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ ضرورت پر ذمی کو سلام کیا جا سکتا ہے۔البتہ بغیر کسی ضرورت کے سلام کرنا نا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پسندیدہ ہے۔اسی طرح کہا گیا ہے کہ ضرورت کے تحت مصافحہ بھی جائز ہے لیکن بےضرورت ناپسندیدہ ہے۔بطور مثال ایک ضرورت یہ بیان ہوئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان یہ محسوس کرے کہ سفر سے واپسی کے بعد وہ اپنے نصرانی پڑوسی سے مصافحہ نہ کرے تو اسے تکلیف پہنچے گی تو اسے مصافحہ کرنا چاہیے۔(۵۸)اس طرح کی سماجی ،معاشرتی ، معاشی ،طبی ،علمی اور عملی ضروریات کی کوئی متعین فہرست نہیں ہے۔ہر شخص اپنے حالات اور ماحول کے لحاظ سے ان کا تعین کرلے گا۔جہاں کسی ضرورت کا تقاضا ہو غیر مسلم سے ملاقات ،سلام اور مصافحہ بلا کراہت جائز سمجھنا چاہیئے۔

تالیف قلب کے لئے سلام کی گنجائش

ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں شاید تالیف قلب کے لئے غیر مسلموں کو سلام کرنے کی اجازت تھی لیکن جب اسلام کو اقتدار اور استحکام حاصل ہوگیا تو اس کی ضرورت نہیں رہی۔ (۵۹)یہ بات اس وقت صحیح ہوگی جب کہ یہ بات یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ سلام کے عام کرنے کا حکم پہلے اور ممانعت کا بعد میں دیا گیا ہے،لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ تالیف قلب کا مقصد غیر مسلموں کے قلوب کو اپنی زبان اور اپنے حسن سلوک سے اسلام کی طرف مائل کرنا ،بتایا گیا ہے۔(۶۰)یہ کوئی وقتی اور ہنگامی مقصد نہیں ہے بلکہ مضبوط سے مضبوط تر اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو بھی باقی رہے گا۔الا یہ کہ ریاست میں کوئی غیر مسلم ہی نہ ہو۔صحیح بات یہ کہ اسلام نے جن اعلی اخلاقیات کی تعلیم دی ہے سلام اسی کا ایک حصہ ہے اور اس پر اسی پہلو سے غور کرنا چاہیئے۔غیر مسلموں کو سلام کرنے اور نہ کرنے سے متعلق جواز اور عدم جواز دونوں آراء پائی جاتی ہیں۔مذکورہ بالا سب آراء وہ ہیں جو انفرادی نوعیت کی ہیں۔معاشرے میں اس حوالے سے اضطراب پایا جاتا ہے۔سلام نہ کرنے سے رعونت کا سا احساس ہوتا ہے۔شرعی احکام میں فقہاء کرام کا اختلاف اسلام کے توسع پسندی کے رجحان کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔سلام نہ کرنے اور جواب نہ دینے سے عزت نفس مجروح ہوتی ہے جو مقاصد شریعت کے منافی ہے۔لہذا اس سلسلے میں اجتہادی اداروں کو امت مسلمہ کی رہنمائی کرنی چاہیئے۔

خلاصہ مباحث

اسلام نے خاندان اور سماج کا جو تصور پیش کیا ہے وہ موجودہ دور کے ان تصورات سے قطعی مختلف ہے۔اس نے انسان کی فطرت میں ودیعت شدہ جنسی جذبے کو اہمیت دی ہے۔وہ نہ اسے دبانے اور کچلنے کا قائل ہے، نہ انسان کو بے مہار چھوڑ دیتا ہے کہ اس کی تسکین کے لیے جو طریقہ چاہے اختیار کرے، بلکہ وہ اسے ایک مخصوص طریقے کا پابند کرتا ہے۔وہ نظام خاندان میں مرد اور عورت کے حقوق کے درمیان مساوات کا تو قائل ہے،لیکن ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی یکسانیت کا قائل نہیں ہے۔اس نے دونوں کے دائرۂ کار الگ الگ رکھے ہیں اور دونوں کو الگ الگ نوعیت کی ذمہ داریاں سونپی ہیں۔خاندان اور سماج کی صحیح خطوط پر استواری کے لیے اسلام نے جو تعلیمات دی ہیں، اگر ان پر عمل کیا جائے تو افراط وتفریط پر مبنی مسائل پیدا ہی نہیں ہوں گے۔ اس لیے کہ اللہ رب العالمین انسانوں کی ضروریات سے بھی واقف ہے اور ان کی فطرت سے بھی اچھی طرح آ گاہ ہے، جس پر اس نے انھیں پیدا کیا ہے۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب انسان اپنی فطرت سے بغاوت کرتے ہیں اور اس سے انحراف کر کے غلط راہوں پر جا پڑتے ہیں۔اسلام کی یہ تعلیمات محض خیالی اور نظریاتی نہیں ہیں، بلکہ ایک عرصے تک دنیا کے قابل لحاظ حصے میں نافذ رہی ہیں اور سماج پر ان کے بہت خوش گوار اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

فقہ اسلامی کا زندگی اور سماج کے ساتھ گہرا تعلق ہے ،اسلام کے بنیادی سر چشمے قرآن اور حدیث سے مستنبط ہونے والا یہ قانونی مجموعہ ہی زندگی کے شب و روز اور سماج کے نشیب وفراز میں رہنمایانہ کردار ادا کرتا ہے اسی سے سماج کو حرکت وحرارت ملتی ہے اور اسی کی روشنی میں زندگی کا سفر آفاق کی نئی فضاؤں ،زمین کی پھیلتی اور سکڑتی وسعتوں اور صبح وشام کی پر پیچ راہوں پر بھی ٹھیک ٹھیک اپنی منزل کی طرف جاری رہتا ہے۔علماء امت نے اپنے اسلاف سے دین کی امانت حاصل کی اور زندگی میں اس کو برتنے کا نہج ان سے سیکھا۔اور پھر اسی نہج پر ہر دور میں مسائل زندگی کے ساتھ احکام شرع کا رشتہ استوار کیا جاتا رہا۔

اسلامی شریعت کا دائرہ کسی زمانہ یا ملک وقوم تک محدود نہیں ہے، بلکہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے اسلامی شریعت پر عمل کرنا واجب ہے۔اسلامی شریعت جس طرح ان ممالک کے لئے ہے جن کی زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے،اسی طرح غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے بھی واجب العمل ہے۔دور حاضر میں حکومت کا دائرہ کار چند میدانوں تک محدود نہیں رہ گیا ہے۔ بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں قانون سازی ،منصوبہ بندی اور نگرانی حکومت اپنا فرض اور حق سمجھتی ہے۔مغرب کے برپا کئے ہوئے غیر اسلامی نظام و ماحول میں رہنے والے کروڑوں مسلمان 'خصوصا غیر مسلم ممالک کے مسلمان' سخت گھٹن اور تنگی میں ہیں بہت سے اسلامی احکام پر عمل ان کے لئے حکومت کے قوانین کی وجہ سے دشوار تر ہو گیا ہے ،اگر اسلامی احکام کو چھوڑتے ہیں تو ان کا دل انہیں ملامت کرتا ہے۔آخرت میں باز پرس کا خوف ان کے لئے سوہان روح بن جاتا ہے۔اور اگر ان اسلامی احکام کی کامل پابندی کرتے ہیں تو انتہائی تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں ،مروجہ قوانین ان پر قدغن لگاتے ہیں۔ زندگی کے بہت سے میدانوں سے انہیں دست کش ہونا پڑتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ شریعت کے رفع حرج، دفع ضرر، ضرورت واضطرار کے اصول کی روشنی میں ان بنیادی رہنما خطوط کی نشاندہی کر دی جائے جن کی بنیاد پر علماء اور اصحاب افتاء دور حاضر کے عمومی ابتلاء اور حاجت کے مسائل کے بارے میں صحیح فیصلہ کر سکیں تا کہ شرعی اصول وقواعد کی روشنی میں جن مسائل میں شرعی جواز اور گنجائش موجود ہو ان کے بارے میں امت مسلمہ کو غیر معمولی ضیق وحرج سے نکالا جائے، اور اصول ضرورت و حاجت کے بے محابا تعامل سے اباحیت اور ہوا پرستی کا جو سنگین خطرہ درپیش ہے اس کا سد باب بھی کیا جا سکے۔

حوالہ جات حواشی

(۱) النساء ۴:۳۴

(۲) مسلم ،المسند الصحیح المختصرمن السنن ، کتاب الأیمان ،باب صحبة الممالیك ،موسوعۃ الحدیث الشریف، الکتب الستۃ دار السلام للنشر والتوزیع ،الریاض،۱۹۹۹ء، رقم ۴۳۰۸

(۳) النساء ۴:۳۲

(۴) احمد بن حنبل، المسند ، باب حدیث عبدالرحمٰن بن عوف الأزهری، مؤسسۃ قرطبۃ ،القاہرہ، رقم ۱۶۶۱

(۵) ابو داؤد، السنن ،کتاب النکاح ،باب فی حق الزوج علی المرأة ،موسوعۃ الحدیث الشریف، الکتب الستۃ دارالسلام للنشر والتوزیع ،الریاض، ۱۹۹۹ء، رقم ۲۱۴۰

(۶) آل عمران، ۳:۱۱۰

(۷) العنکبوت، ۲۹:۲۶

(۸) الصافات، ۷:۹۹

(۹) القصص، ۲۸:۲۱

(۱۰) ابن العربی، محمد بن عبداللہ، ابو بکر، احکام القرآن، عیسی البابی الحلبی بمصر ،۱۹۵۷ء، ۱/۴۸۵

(۱۱) ابن العربی ،احکام القرآن، ۲/۹۴۰

(۱۲) البیہقی ،أحمد بن حسین ،ابو بکر ،السنن الکبری، مکتبۃ، دار الباز ،المکۃ المکرّمۃ، ۱۹۹۴ء، کتاب البیوع ، باب الکسب وطلب الحلال ،۶/۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۳) آل عمران،۳:۱۴
(۱۴) العادیات،۱۰۰:۸
(۱۵) التکاثر،۱۰۲:۱-۸
(۱۶) الترمذی،ابوعیسی،محمد بن عیسی،الجامع المختصر من السنن ، ابواب السیر ، باب ماجاء فی کراھیة المقام بین اظھر المشرکین،موسوعة الحدیث ،الکتب الستة دار السلام للنشر والتوزیع،الریاض،۱۹۹۹ء،رقم ۱۶۰۵
(۱۷) أیضاً ۔رقم ۱۶۰۴
(۱۸) ابن نجیم ، زین الدین بن ابراہیم بن محمد،الا شباء و النظائر ، دارالفکر ، دمشق،۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء،ص۹۰
(۱۹) المجلة الاسلامیه للمجلس الأروبی للافتاء والبحوث،فتوی نمبر۹،عدد ا،ص۳۱۲
(۲۰) ایضاً،فتوی نمبر۳-۵ بحوالہ http://www.ecfr.org/article.php?sid=63
(۲۱) محمد نجات اللہ صدیقی،ڈاکٹر،ادارہ تحقیقات اسلامی،اسلام آباد،۲۰۰۹ء،ص۱۵۶
(۲۲) المجلة العلمیة للمجلس الاروبی للافتاء والبحوث،فتوی نمبر:۳۔۸ ، عدد/۲،ص۴۴۵،۴۴۶
(۲۳) محمد نجات اللہ صدیقی ، مقاصد شریعت،ص۱۵۹-۱۶۰؛ الشرق الاوسط عربی ایڈیشن ،۲۱ اپریل ۲۰۰۶،عدد ۱۰۰۲۸ بحوالہ www.asharqalawsat.com/english/news.asp?section=3&id=4678
(۲۴) قرارات وتوصیات المجمع الفقه الاسلامی الممبثق من منتظمه المؤتمر الاسلامی، جده، الدورات ا-۱۰، القرارات ا-۹۷ ، دمشق، دارالقلم، جدہ ؛ مجمع الفقہ الاسلامی،۱۹۹۸ء ص۴۲-۴۳،قرارداد نمبر۳۲ ؛ www.fiqaacademy.org.ga
(۲۵) ایفا پبلیکیشنز، مقاصد شریعت-تعارف اور تطبیق، جامعہ نگرنئی دہلی،۲۰۱۰ء،ص۳۵۰
(۲۶) البقرة:۲:۲۲۱
(۲۷) الممتحنة ۶۰:۱۰
(۲۸) ابن قیم،محمد بن أبی بکر،زاد المعاد فی ہدی خیر العباد،مؤسسة الرسالة ، بیروت،۱۹۹۴ء،۵/ ۱۳۹
(۲۹) مالک بن انس، الموطأ،مؤسسة زاید بن سلطان آل نہیان، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء ،۲/۵۴۳-۵۴۴
(۳۰) دیکھئے : محمد عمار خان ناصر، حدود وتعزیرات- چند اہم مباحث، المورد لاہور، ۲۰۰۸ء، ص۳۵۰
(۳۱) ابن قیم،محمد بن أبی بکر،زاد المعاد فی ہدی خیر العباد،مؤسسة الرسالة ، بیروت،۱۹۹۴ء ،۵/ ۱۳۹
(۳۲) ابن قیم ، زاد المعاد،۵/۳۳-۱۳۹
(۳۳) ابن حزم ،المحلی ،۷/۳۱۴ ؛ ابن قیم، زاد المعاد،۵/ ۱۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳۴) أیضاً
(۳۵) الانفال، ۸:۶۱
(۳۶) أحمد بن حنبل، أبوعبداللہ الشیبانی، المسند ، مؤسسۃ قرطبۃ، القاہرہ ،رقم ۱۲۵۶۵، ۱۵۲/۳
(۳۷) البخاری، صحیح البخاری ، کتاب الجنائز ،باب اذا اسلم الصبی فمات......،موسوعۃ الحدیث الشریف، الکتب الستۃ دار السلام للنشر والتوزیع ،الریاض، ۱۹۹۹ء، رقم ۱۳۵۶
(۳۸) عبدالرزاق بن ہمام، ابوبکر، المصنف، تحقیق حبیب الرحمٰن، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۳ء، ۳۵/۶
(۳۹) أیضاً، ۳۶/۶
(۴۰) المرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایۃ شرح فی بدایۃ المبتدی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۴۷۲/۴
(۴۱) البخاری۔صحیح البخاری، کتاب الھبۃ و فضلھا ، باب الھدیۃ للمشرکین ، رقم ۲۶۲۰
(۴۲) الشوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار، ادارہ الطباعۃ لمنیریۃ، بمصر ،۱۳۴۴ھ، ۱۰۷/۶
(۴۳) ابن العربی، احکام القرآن ،۲۵۰/۲
(۴۴) الممتحنۃ ۶۰:۸
(۴۵) آلوسی ،شہاب الدین السید محمود البغدادی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم وسبع المثانی، ادارہ الطباعۃ المنیریۃ بمصر، ۲۵/۲۸
(۴۶) مسلم ،المسند الصحیح المختصر من السنن،کتا ب الایمان،باب بیان انہ لا یدخل الجنۃ الا المومنون، رقم ۱۹۴
(۴۷) ایضاً، کتاب السلام ، باب النھی عن ابتداء اھل الکتاب بالسلام ، رقم ۵۶۶۲ ؛ الترمذی، الجامع المختصر من السنن، ابواب الاستیذان و الادب ، باب ما جاء فی کراھیۃ التسلیم علی الذمۃ ، رقم ۲۷۰۰
(۴۸) البقرۃ ۲:۱۰۹
(۴۹) الحشر ۵۹:۲
(۵۰) ابن حجر عسقلانی أحمد بن علی بن محمد، فتح الباری ،دار الریان للتراث، القاہرہ، ۱۹۸۷ء، قال الحافظ اخرجہ الطبری بسند جید، ۴۱/۱۱
(۵۱) القرطبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۱۲/۱۱
(۵۲) العینی ، بدرالدین محمود بن أحمد، عمدۃ القاری ،احیاء التراث الاسلامی ، بیروت ،۱۹/۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(٥٣) ابن حجر، فتح الباری ،١١/ ٣٩

(٥٤) القرطبی ، الجامع لاحکام القرآن ،١١/ ١١٢

(٥٥) ابن حجر، فتح الباری، ١١/ ٤١

(٥٦) النووی، محی الدین ابوزکریا یحیی ،شرح مسلم ، جزء ١٤، مکتبۃ شاملۃ ،٥/ ١٤٥

(٥٧) الجصاص، احکام القرآن ،٣/ ٥٢٦

(٥٨) ابن عابدین، محمد أمین بن عمر بن عبدالعزیز، ردالمحتار علی الدرالمختار، یعرف بحاشیۃ ابن عابدین، دار احیاء التراث الاسلامی ،بیروت ،٥/ ٢٦٣

(٥٩) ابن حجر، فتح الباری ،١/ ٥٦ ؛ ابن حجر، عمدۃ القاری، ١/ ١٥٧

(٦٠) ابن عابدین، ردالمحتار علی الدرالمختار ،٥/ ٣٦٤

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com